© rasailojaraid.com

عورت کی سربراہی سے متعلق حدیث کی اسنادی تحقیق

جناب مولانا گوہر رحمٰن صاحب

فروری ۱۹۸۹ء میں "عورت کی سربراہی قرآن و سنت کی روشنی میں" کے نام سے میرا ایک پمفلٹ جمعیت اتحاد العلماء نے شائع کیا تھا جس کا خلاصہ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور کے اپریل، مئی اور جون ۱۹۸۹ء کے شماروں میں بھی قسط وار شائع ہوا تھا۔ اس کتابچے میں ۴ آیاتِ قرآنیہ، ۵ احادیثِ نبویہ اور اجماع اُمت سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عورت کی حکمرانی ممنوع ہے، اور پاکستان کے آئین کی دفعات ۱-۲-۲الف-۴۱(۲) اور ۶۲ (د-ھ-و) کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عورت کو ریاست کا سربراہ اور حکمران مقرر نہ کیا جائے۔ مضمون میں ۱۱ شبہات کا جواب بھی تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے۔ احادیث میں سے ایک حدیث یہ پیش کی گئی ہے:

لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً (بخاری شریف)

"وہ قوم کبھی کامیاب نہ ہو گی جس نے عورت کو اپنا حکمران بنا لیا ہو"

چونکہ بخاری ...... کی احادیث بالاتفاق صحیح ہیں اس لیے میں نے اس حدیث کی سند پر بحث نہیں کی تھی لیکن بعد میں بعض صحافیوں نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی شیعہ اور قدری ہے۔ اس لیے یہ قابلِ استدلال نہیں ہے۔ میرے دوستوں اور شاگردوں نے توجہ دلائی کہ بے نظیر کے حامی اس بات کو بڑے پیمانے پر پھیلا رہے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے ___ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناقابلِ استدلال ہے۔ میرے مضمون میں صرف اسی حدیث کو دلیل نہیں بنایا گیا بلکہ آیاتِ قرآنیہ اور اجماعِ اُمّت کو اصل دلیل بنایا گیا ہے اور تین دوسری احادیث بھی نقل کی گئی ہیں۔ اگر بفرضِ محال اس دعوے کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس حدیث کی ایک سند ضعیف ہے پھر بھی اصل مسئلے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ دوسرے واضح اور کھلے دلائل بھی موجود ہیں۔ اور خود اس حدیث کے دوسرے ایسے اسانید بھی موجود ہیں جن میں وہ راوی نہیں آیا جسے شیعہ اور قدری کہا گیا ہے۔ (عوف بن ابی جمیلہؒ) لیکن میرے دوستوں نے بھی مشورہ دیا اور میں نے خود بھی ضروری سمجھا کہ اتمامِ حجّت اور مغالطہ انگیزی کے انسداد کے لیے مذکورہ بالا حدیث کی سند پر بھی اگر علمی بحث ہو جائے تو زیادہ مفید رہے گا۔ یہی میری اس تحریر کا باعث ہے اور اسے میرے پمفلٹ "عورت کی سربراہی قرآن وسنّت کی روشنی میں" کا تتمہ سمجھنا چاہیے۔ واللہ یھدی السّبیل۔

صحیح بخاری قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب ہے

امام ابن الصّلاح متوفی ۶۴۳ھ لکھتے ہیں:

وکتاباھما اصح الکتب بعد کتاب اللہ العزیز.......

ثم کتاب البخاری اصح الکتابین صحیحاً [1]

"بخاری اور مسلم کی کتابیں اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں پھر ان دو کتابوں میں صحیح ترین امام بخاری کی کتاب ہے۔

ابن الصلاحؒ اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لاتفاق الامۃ علی تلقی ما اتفقا علیہ بالقبول وھذا

---

[1] علوم الحدیث لابن الصلاح طبع مکتبہ علمیہ مدینہ ۱۹۷۲ء۔ ص ۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

القسم جمیعہ مقطوع بصحتہ والعلم النظری الیقینی واقع بہ والامۃ معصومۃ فی اجماعہا ومن فوائدہا القول بان ما انفرد بہ البخاری او مسلم مندرج فی قبیل ما یقطع بصحتہ لتلقی کل واحد من کتابیہما بالقبول[1]

"اس لیے کہ امت ہر اس حدیث کو قبول کرنے پر متفق ہو گئی ہے جس پر بخاری اور مسلم دونوں نے اتفاق کر لیا ہو۔ حدیث کی یہ قسم (متفق علیہ) قطعی طور پر صحیح سمجھی جاتی ہے اور اس سے یقینی اور نظری علم حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ امت اپنے اجماع میں معصوم ہے (اس کا اجماع غلط نہیں ہو سکتا) اس دلیل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس حدیث کو تنہا بخاری نے یا تنہا مسلم نے نقل کیا ہو (دونوں نے نقل نہ کیا ہو) وہ بھی قطعی طور پر صحیح حدیثوں کی قسم میں شامل ہوتی ہے اس لیے کہ امت نے ان دونوں کتابوں کو قبول کرنے پر اتفاق کیا ہے۔"

ابن حجر عسقلانیؒ متوفیٰ ۸۵۲ھ فرماتے ہیں:

"امام بخاریؒ کا کسی راوی سے حدیث نقل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بخاریؒ کے نزدیک یہ راوی عادل ہے اور مضبوط حافظے کا مالک ہے..... ابوالحسن مقدسیؒ نے کہا ہے کہ جس راوی سے بخاری نے صحیح بخاری میں حدیث نقل کی ہو وہ امتحان کے پل سے گزر چکا ہے اور جو شخص اس راوی پر جرح کرتا ہے وہ قابلِ التفات نہیں ہے۔ امام ابوالفتح قشیری نے کہا ہے کہ ہماری بھی یہی رائے ہے۔"[2]

---

[1] علوم الحدیث ص ۲۴-۲۵۔

[2] ھدی الساری مقدمہ فتح الباری۔ طبع مکتبۂ سلفیہ قاہرہ ۱۴۰۸ھ ص ۴۰۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ جلال الدین سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

شافعیہ میں سے امام ابو حامد اسفرائینیؒ، قاضی ابو الطیبؒ اور شیخ ابو اسحٰق شیرازی — حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسیؒ — مالکیہ میں سے قاضی عبد الوہابؒ — حنابلہ میں سے قاضی ابو یعلیٰؒ اور ابو الخطابؒ — اشاعرہ میں سے ابن فورکؒ — اکثر متکلمینؒ اور سب اہلِ حدیث و سلف سے بھی یہی منقول ہے .... کہ بخاری و مسلم کی احادیثِ (متّصلہ) قطعی طور پر صحیح ہیں۔[1]

شاہ ولی اللہؒ متوفی ۱۱۷۶ھ اور شاہ عبد العزیزؒ متوفی ۱۲۳۹ھ دونوں نے لکھا ہے کہ کتبِ حدیث کے چار طبقے ہیں جن میں سے سب سے بلند ترین طبقہ تین کتابیں ہیں۔ مؤطا امام مالکؒ، صحیح بخاری اور صحیح مسلم ان کتابوں کی احادیث صحیح ترین احادیث شمار ہوتی ہیں۔ شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں:

احادیثِ ایں ہر سہ اصح الاحادیث اند۔ پس ایں ہر سہ کتاب را در طبقۂ اولیٰ باید داشت۔[2]

مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری متوفی ۱۳۵۳ھ لکھتے ہیں:

محدثین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ بخاری مسلم کی تمام وہ حدیثیں جو سندِ متصل مرفوع کے ساتھ نقل ہوئی ہیں۔ وہ قطعی طور پر صحیح ہیں اور ان کتابوں کی نسبت ان کے مصنفین کی جانب متواتر ہے اور جو شخص ان کے اس درجے کو ہلکا کرتا ہے۔ وہ بدعتی ہے۔[3]

البتہ ابن الہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ اور اس کے شاگرد ابن امیر الحاجؒ متوفی .....

---

[1] تدریب الراوی از سیوطی طبع کراچی ۱۹۷۲ء ص ۱۳۲-۱۳۳۔

[2] عجالۂ نافعہ از شاہ عبد العزیزؒ اور حجۃ اللہ البالغہ از شاہ ولی اللہؒ۔

[3] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۵۸ نقلاً عن حجۃ اللہ البالغہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی رائے یہ ہے کہ "بخاری و مسلم کی احادیث اگرچہ صحیح ہیں مگر تعارض کے وقت ان کی احادیث پہ دوسری کتابوں کی احادیث کو دلائل کی بناء پر ترجیح دی جاسکتی ہے ۔[1] لیکن زیر بحث حدیث کے مقابلے میں دوسری حدیث کسی کتاب میں بھی موجود نہیں ہے ۔ اس لیے ترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ اور یہ حدیث ابن الہمام اور ابن امیر الحاج کے اصول کے مطابق بھی صحیح ترین حدیث ہے ۔

امام دارقطنی کی صحیحین کی احادیث پر تنقید کی حقیقت

اگرچہ امام دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ نے بخاری اور مسلم کی ۲۰۰ روایات پر تنقید کی ہے
متفق علیہ ۳۱ بخاری کی ۶۹ اور مسلم کی ۱۰۰ ۔ کل ۲۰۰ =
لیکن ان روایات پر یہ تنقیدیں فنی قسم کی ہیں ۔ ناقدین کا مقصد یہ ہے کہ بقول ان کے یہ روایات ان شرائط کے مطابق نہیں ہیں جو بخاری و مسلم نے عاید کی ہیں ۔ تاہم ابن حجرؒ نے ان فنی اعتراضات کے بھی مثبت اور قوی جوابات دے دیئے ہیں[2] عورت کی حکمرانی کی ممانعت سے متعلق زیر تحقیق اس حدیث پر دارقطنی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ اس کا ایک راوی عوف بن ابی جمیلہ ثقہ نہیں ہے یا شیعہ ہے ۔ سند کے کسی دوسرے راوی پر بھی انہوں نے کوئی جرح نہیں کی ۔ ان کا اعتراض صرف یہ ہے :

اخرج البخاری احادیث الحسنؒ عن ابی بکرۃؓ ......
منہا لا یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ والحسن لا یروی
الا عن الاحنف عن ابی بکرۃؓ[3]

"بخاریؒ نے حسن بصری کی احادیث نقل کی ہیں جنہیں وہ ابوبکرہ سے

[1] فتح القدیر از ابن الہمام جلد ۱ ص ۳۱۷ ۔ ۳۱۸ و جلد ۳ ص ۱۸۶ ۔ اور التقریر والتحبیر لابن امیر الحاج جلد ۳ ص ۳۰ ۔
[2] ہدی الساری ص ۳۶۴ تا ۴۰۲ فصل ثامن ۔
[3] التتبع از دارقطنی طبع بیروت ۱۹۸۵ء ص ۲۲۲ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقل کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے کہ "وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوگی جس نے عورت کو اپنا حکمران بنا لیا ہو" حالانکہ حسنؒ کی روایت تو احنف سے ہے اور احنف ابوبکرہؓ سے نقل کرتے ہیں"۔

یعنی حسن بصری نے ابوبکرہؓ سے احادیث خود براہ راست نہیں سنی ہیں بلکہ احنف سے سنی ہیں اور احنف نے ابوبکرہؓ سے سنی ہیں۔ اس لیے یہ حدیث منقطع ہے، اور درمیان میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے۔

لیکن یہ اعتراض اس لیے درست نہیں کہ حسن بصریؒ کا ابوبکرہؓ سے براہ راست سماع لقد سمعت کے صریح لفظ کے ساتھ ثابت ہے۔ بخاری شریف میں رسول اللہؐ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ "میرا یہ بیٹا (حسن بن علیؓ) مسلمانوں کا سردار ہے الخ" اس حدیث کو حسن بصریؒ نے ابوبکرہؓ سے خود سنا تھا۔ بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں:

فقال الحسن ولقد سمعت ابا بکرۃ ...... قال علی ابن عبد اللہ انما ثبت لنا سماع الحسن من ابی بکرۃ بھذا الحدیث [1]

"حسن بصریؒ نے کہا ہے کہ میں نے ابوبکرہؓ سے خود سنا ہے ..... امام بخاری فرماتے ہیں کہ علی بن عبداللہ (المدینی) نے کہا ہے کہ حسن بصری کا ابوبکرہؓ سے سماع ہمیں اسی حدیث سے معلوم ہوا ہے"۔

بخاری کتاب الصلح اور کتاب الفتن میں تو لقد سمعت کا لفظ آیا ہے، لیکن بخاری کتاب المناقب باب فضائل اصحاب النبیؐ، مناقب الحسنؓ والحسینؓ میں عن الحسن انه سمع ابا بکرۃؓ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی حسن نے یہ حدیث ابوبکرہؓ سے خود سنی ہے"۔ قاعدہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح باب قول النبی ابنی ہذا سید اور کتاب الفتن باب قول النبی ابنی ہذا سید،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ہے کہ جب کسی راوی کا دوسرے راوی سے براہِ راست سماع اور ملاقات ایک حدیث میں بھی ثابت ہو جائے تو اس کی ساری روایات اس سے براہِ راست سُنی ہوئی سمجھی جائیں گی۔ اگرچہ وہ حرف عَنْ کے ساتھ نقل ہوئی ہوں بشرطیکہ راوی ثقہ اور سچا ہو اور حسن بصری کا ثقہ ہونا اتفاقی ہے۔ یہ قاعدہ بھی امام بخاری کا ہے ورنہ امام مسلم اور جمہور کے نزدیک براہ راست سماع کا ثبوت صریح الفاظ میں ضروری نہیں ہے بلکہ ہم عصر ہونا بھی کافی ہے اور حسن بصری اور ابو بکرہ رضؓ کا ہم عصر ہونا ثابت ہے اس لیے کہ ابن حجر نے لکھا ہے۔

ابو بکرہؓ نُفیع بن حارث ثقفی رضؓ کا انتقال بصرہ میں ۵۲ھ میں ہوا تھا۔[1]

اور علامہ ابو نصر الکلاباذی رحؒ متوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

"حسن بصری کی ولادت ۲۱ھ میں ہوئی تھی۔ ۳۷ھ میں (جنگِ صفین کے سال) یہ مدینہ منورہ سے بصرہ منتقل ہو گئے تھے (۱۶ سال کی عمر میں) اور ۱۱۰ھ میں ان کا انتقال بصرہ میں ہوا تھا۔"[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو بکرہؓ کی وفات کے وقت حسن بصری کی عمر ۳۱ سال تھی اور اس وقت اس کے بصرہ میں قیام کے ۱۵ سال ہو گئے تھے لہٰذا دونوں کا ہم عصر ہونا واضح طور پر ثابت ہے۔ بہر حال حسن بصری کا ابو بکرہؓ سے صریح الفاظ میں سماع بھی بخاری کی تین سندوں میں ثابت ہے اور دونوں کا ہم عصر ہونا بھی واضح طور پر ثابت ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ حسن بصری نے ابو بکرہؓ کی حدیثیں احنف سے سُنی ہیں تو ابن حجر فرماتے ہیں:

"وہ دوسری روایت ہے جسے اس نے احنف کے واسطے سے نقل کیا ہے اور اس روایت کو اس نے براہِ راست ابو بکرہ رضؓ سے سُنا ہے"[3]

---

[1] الاصابہ لابن حجر رحؒ جلد ۳ ص ۵۷۱ و اُسد الغابہ جلد ۵ ص ۳۸۔

[2] رجال البخاری از کلاباذی رحؒ طبع بیروت ۱۹۸۷ء جلد ۱ ص ۱۶۷۔

[3] ہدی الساری ص ۳۸۶ و ص ۳۹۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند بالکل صحیح ہے

درج بالا اُصولی تحقیق کے بعد اگرچہ اسنادی بحث کی ضرورت نہیں رہی لیکن چونکہ کچھ لوگوں نے یہ بحث چھیڑ دی ہے اس لیے اتمام حجت کے لیے اسنادی بحث بھی پیش کی جا رہی ہے۔

امام بخاریؒ ۲۵۶ھ نے یہ حدیث جس سند کے ساتھ نقل کی ہے، اس میں بخاریؒ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صرف چار واسطے ہیں:

عثمان بن ہیثمؒ — عوف بن ابی جمیلہؒ — حسن بصریؒ — ابوبکرہؓ [1]

محدثین نے راویوں کی توثیق کے لیے کچھ مخصوص الفاظ بطور اصطلاح وضع کیے ہیں۔ حافظ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے ان الفاظ کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے:

۱۔ توثیق کے سب سے اعلیٰ الفاظ یہ ہیں: ثَبتٌ حُجَّۃٌ - ثبتٌ حافظ - ثقۃٌ مُتقِنٌ - ثقۃ ثقۃٌ - دو مرتبہ۔

۲۔ اس کے بعد کے درجے کے الفاظ یہ ہیں: ثِقۃ صَدُوق - لاباس بہٖ - لیس بہ بأسٌ۔

۳۔ تیسرے درجے کے الفاظ یہ ہیں: صالح الحدیث - جیّد الحدیث - حسن الحدیث - محلّہ الصدق - صدوقٌ ان شاء اللہ - شیخ وسط - صُوَیلح۔ اور اس طرح کے دوسرے الفاظ [2]

ان اصطلاحی الفاظ کی روشنی میں اس حدیث کے راویوں کا مقام و مرتبہ معلوم کرنے کے لیے درج ذیل اقوال پر غور فرمائیے۔

---

[1] المغازی باب کتاب النبیؐ الی کسریٰ وقیصر و کتاب الفتن باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر۔

[2] میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱- ابوبکرہ نُفَیع بن حارث ثقفی بصریؓ تو صحابی ہیں اور صحابہ سب کے سب بالاتفاق ثقہ ہیں اور ان کا صحابی ہونا ہی ثقہ اور عادل ہونے کا بڑا ثبوت ہے۔ کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔

۲- ابوبکرہ سے اس حدیث کو حسن بن ابی الحسن (الیسار) بصری نے نقل کیا ہے، جو اپنے دور کے تابعین کے امام تھے۔ اس نے ۱۲۰ صحابہؓ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا، اس کا ثقہ ہونا محدثین میں اتفاقی ہے۔ کسی نے اس پر جرح نہیں کی۔

"ابن سعدؒ نے اسے ثقہ، حجۃ اور ذہبیؒ نے اسے کبیر الشان عدیم النظیر کہا ہے"۔[1]

یعنی یہ ثقہ تھے، اس کی حدیث حجت ہے اور یہ بڑی شان والے تھے اور بے نظیر تھے۔

۳- امام بخاری نے اس حدیث کو عثمان بن ہیثم سے سنا ہے جو اس سند کے پہلے راوی ہیں۔ یہ بصرہ کے مؤذن تھے۔ اور بصرہ ہی میں ۲۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوا تھا— اس کے ثقہ ہونے کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ یہ امام بخاری کے استاد تھے۔ اس لیے کہ امام بخاری انہی راویوں سے روایت نقل کرتے تھے، جو یادداشت اور دیانت و عدالت میں ممتاز ہوتے تھے۔ کلاباذیؒ لکھتے ہیں:

"امام بخاری نے ان سے حج، نکاح، مغازی، فتن، لباس اور ایمان و نذور کے ابواب میں احادیث نقل کی ہیں (جن کی تعداد ۴۱ ہے)[2]

امام ذہبی نے اس کو المحدث الامام البصری کہا ہے۔ یعنی "بصرہ کے محدث اور امام تھے"۔[3]

امام ابن حبانؒ نے اسے ثقہ راویوں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ امام ابو حاتمؒ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ للذہبی جلد ۱ ص ۷۲

[2] رجال صحیح البخاری جلد ۲ ص ۵۲۴

[3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۷۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور امام دار قطنیؒ نے اسے صدوق یعنی سچا راوی کہا ہے[1]۔

عوف بن ابی جمیلہ الاعرابی بھی ثقہ راوی تھے

بے نظیر کی نسوانی حکومت کے کچھ وکیل ابن ابی جمیلہ کو ضعیف اور شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور حدیث کو ناقابلِ استدلال قرار دینے کے لیے ان وکیلوں کی جرح کے تیر اسی راوی پر گرتے ہیں۔ لیکن درج ذیل حقائق کی بناپر ان کی یہ تیر اندازی کارگر ثابت نہیں ہو سکتی۔

ابنِ حجر عسقلانیؒ ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

"عوف بن ابی جمیلہ العبدی الہجری ابو سہلِ بصری اعرابی کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے والد ابو جمیلہ کا نام بندویہ تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بندویہ اس کی والدہ کا نام تھا۔ اور والد کا نام رزینہ تھا..... شعبہؒ، سفیان ثوریؒ، عبد اللہ بن مبارکؒ، یحییٰ بن سعید قطانؒ اور عثمان بن ہیثمؒ جیسے محدثین ان کے شاگرد تھے" ۵۹ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ میں وفات پا گئے تھے[2]

عوف کے ثقہ اور قابلِ قبول راوی ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ یعنی بخاریؒ، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ سب نے اپنی کتابوں میں ان سے روایات نقل کی ہیں۔ اور انہیں قابلِ قبول راوی قرار دیا ہے۔ ذہبیؒ نے میزان میں اور ابن حجرؒ نے تہذیب میں اس کے نام پہ (ع) کا نشان لگایا ہے جو جمیع کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ سب صحاح ستہ کا راوی ہے۔ قابلِ غور بات تو یہ ہے کہ حدیث کے چھ بڑے ائمہ نے جس راوی کو قابلِ قبول قرار دیا ہو اور اس سے روایات نقل کی ہوں۔ کیا اس کے

---

[1] میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۵۹ و تہذیب التہذیب از ابن حجرؒ جلد ۷ ص ۱۵۸

[2] تہذیب جلد ۸ ص ۱۶۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارے میں مزید تحقیق کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن پھر بھی ائمہ جرح و تعدیل کے توثیقی الفاظ نقل کرنا افادیت سے خالی نہیں ہے۔

۱۔ ابن سعدؒ متوفی ۲۳۰ھ فرماتے ہیں: کان ثقۃً کثیر الحدیث[۱] "ثقہ تھے اور بہت سی حدیثیں بیان کرنے والے تھے۔"

۲۔ امام احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ھ فرماتے ہیں: کان ثقۃً صالح الحدیث "ثقہ تھے اور حدیث نقل کرنے کے قابل تھے۔"

۳۔ امام یحییٰ بن معین متوفی ۲۳۳ فرماتے: کان ثقۃً "ثقہ تھے۔"

۴۔ امام نسائی متوفی ۳۰۳ فرماتے ہیں: کان ثقۃ ثبتاً۔ "ثقہ تھے اور مضبوط راوی تھے۔"

۵۔ امام ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ فرماتے ہیں: کان ثقۃ "ثقہ تھے۔"

۶۔ امام ابوحاتم رازی فرماتے ہیں: صدوق صالح "سچے اور قابل قبول راوی تھے۔"[۲]

توثیق کے ان الفاظ پر غور کیجیے۔ اصطلاحی الفاظ میں سے ثقۃٌ ثبتٌ۔ ثقہ کثیر الحدیث۔ ثقہ صالح الحدیث۔ ثقۃ اور صدوق صالح الحدیث کے وہ الفاظ حضرت عوف کے بارے میں استعمال ہوئے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے ثقہ راویوں کے بارے میں استعمال ہوتے ہیں۔

امام ذہبی متوفی ۷۴۸ فرماتے ہیں: وقد وثقہ جماعۃٌ۔ "ایک جماعت نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے"[۳]

امام مسلمؒ متوفی ۲۶۱ھ فرماتے ہیں:

"حسن بصری کے شاگردوں میں سے ابن عون اور ایوب عوف بن ابی جمیلہ

(باقی دیکھیں صفحہ ۴۷)

۱؎ طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۲۵۸ طبع بیروت ۱۹۵۸ء

۲؎ تہذیب جلد ۸ ص ۱۶۷ ۳؎ میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۳۰۵۔

© rasailojaraid.com